

عرب دنیا: بھارتی سفارتی و عسکری یلغار

سلیم منصور خالد

بلاشبہ قومی ریاستیں اپنی خود مختار حیثیت سے، اپنے شہریوں کی معاشی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہنے کا حق رکھتی ہیں۔ لیکن کیا، قوموں کی زندگی اور ان کے وجود کے لیے محض 'معاشی نفع' ہی آخری معیار ہوتا ہے؟ دنیا میں قوموں کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو دکھائی دیتا ہے کہ کئی حوالوں سے محض معاشی فلاح کو اولین حیثیت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ تاریخی، تہذیبی، نظریاتی یا فکری پس منظر اور اس سے وابستہ امور بین الاقوامی تعلقات میں فوقیت رکھتے ہیں، بلکہ اکثر یہ پہلو حد درجہ غالب رہتا ہے، جب کہ معاشی پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

گذشتہ دنوں (۱۶، ۱۷ اگست) بھارتی وزیر اعظم نریندرامودی کے دورہ متحدہ عرب امارات کو دیکھنے کے لیے سنجیدہ غور و فکر کی متقاضی بنیادیں موجود ہیں۔ یہ دیکھنا ہم ہے کہ بھارت کے ساتھ عرب ممالک کے پروان چڑھتے بلکہ پر جوش بڑھتے ہوئے تعلقات میں بھارتی قومی مقاصد اور عرب یا مسلم دنیا کے مفادات و مقاصد، کون سی نزاکت رکھتے ہیں؟

یوں تو شروع ہی سے اسرائیل اور بھارت کے درمیان تعلقات کی ایک خفیہ تاریخ ۱۹۵۰ء سے موجود تھی، جب اس نے اسرائیل کو تسلیم کیا تھا اور عملاً تجارتی اور عسکری میدانوں میں تعاون بھی ایک حقیقت تھا۔ نام نہاد 'ناوابستہ ممالک تنظیم' (NAM) کا رکن ہونے کی بنا پر بھارت نے ان تعلقات کو چھپائے رکھا۔ مگر ۱۹۷۱ء میں پاکستان توڑنے کی مہم میں بھارت نے کھل کر اسرائیل سے مدد مانگی اور اپنے یہودی جرنیل جنرل جیکب کو اس مقصد کے لیے صہیونیوں سے تعاون لینے کی ذمہ داری سونپی۔ تاہم، گذشتہ ۱۰ برسوں کے دوران میں 'بھارت اسرائیل تعلقات میں گرم جوشی کی

ایک لہر، منظر پہ چھائی نظر آتی ہے، جس میں اسلحے کی خرید، جنگی تربیت، تحقیقاتی تعاون اور جوہری مہارتوں کے تبادلے میں حد درجہ ابھار آیا ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک مختصر رپورٹ India Israel Defense Co-operation کے مطالعے سے کئی پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ رپورٹ ڈاکٹر الویت سنگھ نے لکھی ہے، اور بارالانا یونیورسٹی، اسرائیل کے ڈی بیگن سادات سنٹر فار اسٹریٹجک اسٹڈیز، کے تحقیقی مجلے Perspectives (۲۷ جنوری ۲۰۱۴ء) نے شائع کی ہے۔ ۲۰۰۴ء سے بھارت نے اسرائیل سے 'ری کونا سینس اینڈ آبزرویشن سسٹم' (LORROS) خرید کر مقبوضہ کشمیر میں جا بجا نصب کیے ہیں، تاکہ کشمیری جدوجہد آزادی کو کچلنے کے لیے ۸ لاکھ بھارتی فوجیوں کے زرخے میں ایک ایک کشمیری کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔

اسی طرح عالمی امور کے ماہر بھارتی نژاد کنشک تھاروا نے ۳ اگست ۲۰۱۴ء کو الجریہ امریکا کے لیے اپنے تجزیے میں بھارت اسرائیل تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا: ”ان دونوں ممالک کے درمیان خصوصی تعلقات ہیں اور ان کا ہدف بھی ایک ہے۔ اسرائیل، روس کے بعد دوسرے نمبر پر بھارت کو سب سے زیادہ اسلحہ فروخت کرنے والا ملک ہے۔ مزید برآں اسرائیلی اسلحے کا سب سے بڑا خریدار بھارت ہی ہے۔ بھارت نے بڑی چابکدستی سے عربوں میں دوستی کے تعلقات کی جڑوں کو گہرا کیا ہے، مگر اب تک وہ عرب ممالک پر زور ڈال کر، پاکستان کو کشمیر کے مسئلے پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کر سکا۔“ یہاں پر یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ اگلے چند ماہ میں زیندرامودی کے دورہ اسرائیل کو بھی نگاہ میں رکھا جائے۔ بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج نے یکم جون ۲۰۱۵ء کو اعلان کیا تھا کہ ”بھارتی وزیراعظم کے دورہ اسرائیل کا پروگرام طے کر لیا گیا ہے، جس میں دفاع اور دہشت گردی کے خاتمے کو اولیت حاصل ہوگی، اور یہ دورہ تاریخی اہمیت کا حامل ہوگا۔“ اب اگر عرب شیوخ اور راجے امریکی معاشرت میں، صہیونیوں سے بے زار شہریوں کی اصطلاح 'Jew' اور 'Black Jew' کو سامنے رکھیں تو انہیں بخوبی علم ہو جائے گا کہ ’کالے یہودیوں‘ سے مراد بھارتی قوم پرست لیے جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۶ء کو حرمین شریفین کے خادم شاہ عبداللہ مرحوم نے بھارت کے یوم جمہوریہ کی سالانہ پریڈ منعقدہ نئی دہلی میں بطور مہمان خصوصی

شرکت کی تھی۔ تب انھوں نے بھارتی سرزمین پر بھارت کو کسی 'دہشت گردی سے محفوظ رکھنے' کی خواہش کا اتنا پر زور اظہار کیا تھا کہ بھارتی حکومت اور ذرائع ابلاغ نے ان خیالات کو واضح اور متعین طور پر: "کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے خلاف سعودی حکومت کے عزم اور دہلی سرکار کی ظالم حکومت سے طرف داری" سے منسوب کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بیانات سے حریت کانفرنس اور مظلومانہ کشمیر کو سخت مایوسی ہوئی تھی۔ ازاں بعد فروری ۲۰۱۳ء میں 'سعودی بھارت دفاعی تعاون کا معاہدہ' طے پایا۔ یہ چیزیں خصوصاً گذشتہ ۱۰ برسوں میں تیزی سے پروان چڑھیں اور انھی کے پس منظر میں مودی کے حالیہ دورہ متحدہ عرب امارات کو دیکھنا چاہیے۔ یاد رہے کہ 'بھارت سعودی اسٹریٹجک شراکت کاری' کی بنیاد شاہ عبداللہ نے جنوری ۲۰۰۶ء میں نئی دہلی میں 'اعلانِ دہلی' کے ذریعے رکھی تھی، اور پھر ۲۰۱۰ء میں بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ نے سعودیہ کے دورے کے دوران 'اعلانِ ریاض' کے ذریعے اسے کئی درجے آگے بڑھا دیا تھا۔ شاہ عبداللہ نے شاہ فہد کے انتقال کے بعد اگست ۲۰۰۵ء میں زمام کار سنبھالی تھی اور گذشتہ ۵۱ برسوں کے دوران وہ پہلے سعودی حاکم تھے، جنھوں نے (ساڑھے پانچ ماہ بعد ہی) ان تعلقات کا سنگ بنیاد رکھا۔ (دی اکانومک ٹائمز، ۲۳ جنوری ۲۰۱۵ء)

پھر چند برسوں بعد ریاست اومان نے بھی بھارت سے 'فوجی تعاون کا معاہدہ' کیا، جس سے بحیرہ عرب میں بھارت کے قدم اور پھیل گئے۔ شرقِ اوسط میں بھارت کی بڑھتی ہوئی اسٹریٹجک وسعت پذیری پر، دی نیویارک ٹائمز کے خصوصی نمائندے کیرتانیانے لکھا ہے: "نئی دہلی حکومت نے ۲۰۰۸ء میں دوحہ (قطر) میں نہایت مہنگے اور اپنی نوعیت کے منفرد (one of a kind) دفاعی معاہدے پر دستخط کیے۔ ایسا معاہدہ آج تک کسی اور ملک سے نہیں کیا، جس کے تحت بھارت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قطر کے اثاثہ جات (assets) اور مفادات (interests) کو لاحق بیرونی خطرات سے محفوظ رکھے۔" (The Diplomat، ۸ مارچ ۲۰۱۵ء)

یہاں دل چسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاست قطر کو بیرونی خطرات کس سے لاحق ہو سکتے ہیں: کیا ایران سے؟ سعودی عرب سے؟ متحدہ عرب امارات اور اسرائیل سے؟ یا امریکا سے؟ فرض کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ملک قطر پر چڑھ دوڑتا ہے تو کیا بھارت، مذکورہ ممالک سے اپنے

گہرے تعلقات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک کر قطر کا دفاع کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے گا، یا اس کاغذی معاہدے کا اکلوتا مقصد اربوں ڈالر اٹھینے کا کھیل ہی کھیلنا ہے؟

سعودی گزٹ (۱۷ اگست ۲۰۱۵ء) نے بتایا ہے کہ: ”بھارتی وزیراعظم نے متحدہ عرب امارات کے دو روزہ دورے کا آغاز وہاں کی عظیم مسجد میں قدم رکھتے ہوئے کیا، جہاں شیخ زید بن سلطان کی قبر ہے۔ گذشتہ ۳۴ برسوں میں یہ پہلا بھارتی وزیراعظم ہے، جس نے اس ملک کا دورہ کیا ہے۔“ اس پر دل چسپ تبصرہ خود بھارت میں ہوا، جہاں تمام مسلم مکاتب فکر کے نمائندہ پلیٹ فارم: ”مسلم پرسنل لا بورڈ“ کے سیکرٹری مولانا محمد ولی رحمانی نے فرمایا: ”بہتر ہوتا کہ مودی، ہندستان کی کسی مسجد کا دورہ کرتے“ (روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز، ۱۸ اگست)۔ درحقیقت اس ایک جملے میں مولانا رحمانی نے شہید بابر مسجد کی چیخ اور ہندوانہتا پسندوں کے دست شراٹگیز میں پھڑپھڑاتی کئی مسجدوں کا نوحہ بیان کیا ہے۔ گلف نیوز (۱۶ اگست) کو انٹرویو دیتے ہوئے مودی نے ایک طرح دار جملہ یہ بھی کہا: ”متحدہ عرب امارات میں ایک چھوٹا بھارت ہے۔“ سعودی گزٹ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے: ”سات ریاستوں کے اس ملک میں ۲۶ لاکھ بھارتی ماہرین اور کارکن بستے ہیں، جو متحدہ عرب امارات کی کل آبادی کا ایک تہائی ہیں، اور یہاں سے ۱۴ ارب ڈالر سالانہ بھارت لے جاتے ہیں۔“ یاد رہے اسی دورے میں مودی کو سرزمین عرب پر مندر بنانے کے لیے شاہان امارات نے زمین کا بڑا ٹکڑا دے کر، وہاں فتح مکہ کے چودہ سو سال بعد پہلا بُت کدہ بنانے کا اعزاز حاصل کیا ہے جس پر بجا طور پر کئی عرب علما نے سخت احتجاج کیا ہے۔

دعویٰ کرکٹ گراؤنڈ میں تقریباً ۵۰ ہزار بھارتی باشندوں سے خطاب کے دوران مسلم کشی کے دیوتا زیندرا مودی نے پاکستان پر سنگین حملے کرتے ہوئے کہا: ”اچھی دہشت گردی یا بُری دہشت گردی نہیں چلے گی۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ تم دہشت گردوں کے ساتھ ہو یا انسانیت کے ساتھ؟ ہم سارک کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں، مگر کچھ ہیں جو رخنہ اندازی کر رہے ہیں، اور پھر سارک کے تمام ممالک کے نام دہرائے، مگر ان ناموں میں پاکستان کا نام نہیں لیا (خلیج ٹائمز، ہندستان ٹائمز، ۱۸ اگست)۔ مودی نے اس تقریر میں شراٹگیزی کی حد تک پاکستان کا خاکہ اُڑانے کی کوشش کی ہے۔ وال سنٹریٹ جنرل نے اسی تقریر کی رپورٹ میں لکھا ہے:

”مودی نے پاکستان پر شدید حملہ کرتے ہوئے کہا کہ تمام ریاستوں کو دہشت گردی کی ’پناہ گاہ‘ کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے، حالانکہ پاکستان نہ صرف ان الزامات کی تردید کرتا ہے، بلکہ وہ خود بدترین دہشت گردی سے متاثر ہے“ (WST، ۱۸ اگست)۔ گویا کہ مودی نے اس دورے میں پاکستان اور اس سے وابستہ مسائل کو نفرت انگیز طریقے سے نشانہ بنانا اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھا۔

مودی کے دورے کے اختتام پر ۳۱ نکاتی مشترکہ اعلامیے کو دیکھیں تو اس کے پانچ نکات (۲، ۳، ۴، ۵، ۱۶) دراصل ایک ہی نکتہ ہیں: ”مذہب کا غلط استعمال، برداشت، امن، دہشت گردی کا خاتمہ، دہشت گردی کے خاتمے کے لیے خفیہ معلومات کا تبادلہ، اس ضمن میں اقوام متحدہ میں بھارتی مجوزہ ضابطے کی تائید“ وغیرہ۔ یہاں پر پھر دھیان اس طرف جاتا ہے کہ امارات میں تو کوئی دہشت گردی ہونے نہیں رہی، البتہ بھارت کے ہاں بغاوت اور خود مختاریت کی داخلی تحریکیں یقیناً مضبوط ہیں، جنہیں بھارت ’دہشت گردی‘ کہتا ہے۔ اسی طرح عرب دنیا میں بھارتی مسلمان مزدور اپنی کمائی سے دین اسلام کے آخری قلعے، مدرسے اور مساجد محفوظ کرنے کے لیے ایثار کرتے ہیں، ان کی قوم کو بند کرنے کے لیے بھی اسی اعلامیے کا کوڑا برسایا جائے گا۔ برہمن بیٹے نے کمال ہوشیاری سے ’دہشت گردی‘ کا سکہ رائج الوقت اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے عربوں کا کندھا استعمال کیا ہے۔

عرب دنیا میں بھارت سے گہرے تعلقات کے علم بردار طبقے یہ دلیل پورے زور و شور سے پیش کرتے ہیں کہ: ”بھارت میں ۲۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں، اس لیے ہم کس طرح اس کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔“ عرب مہمان بھارت کی دلیل جزوی طور پر درست ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ خود بھارت میں یہی مسلمان، جن کی تعداد گن گن کر بھارت، عربوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے، وہ بھارت کی فیصلہ سازی، حکومت اور ریاستی ڈھانچے میں کیا وزن، حیثیت اور مقام رکھتے ہیں؟

ہند کی ۱۸ صدی آبادی رکھنے کے باوجود یہ مسلمان، جن کا واسطہ دے کر تعلق بنایا یا تعلق بڑھانے کا جھانسنہ دیا جاتا ہے، بے وزن ہی نہیں، بڑی حد تک بے حیثیت بھی ہیں۔ وہاں ان کا جو وجود ہے، وہ دینی مدارس، دینی جماعتوں، مسلم رفاہی اور تعلیمی اداروں کے بل بوتے پر ہے، اور جو وزن ہے وہ جنوبی ریاستوں میں ان کی آزادانہ معاشی ترقی کی بنیاد پر۔ وگرنہ کانگریس سے لے کر راشٹریہ سوامی سیوک سنگھ (آر ایس ایس) کی دہشت گرد سیاسی قیادت تک زیر اقتدار ۲۰ کروڑ مسلمانوں

کی قسمت کو چند حوالوں سے بخوبی جانچا جاسکتا ہے: یعنی بامبری مسجد کی شہادت، احمد آباد اور ممبئی میں مسلم نسل کشی (جس کی قیادت یا سرپرستی مسٹر مودی اور ان کی جماعت بی جے پی نے کی)، آزادی سے لے کر اب تک ۳۰ ہزار مسلم کش فسادات، گزشتہ آٹھ برسوں سے اب تک پورے ہند میں ذہین اور متحرک مسلم نوجوانوں کو دہشت گرد قرار دے کر جیلوں میں گھسنے سڑنے کے لیے ڈال دینے کا عمل، مودی کے وزیراعظم بننے کے بعد سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے گھر واپسی مہم، ۱۹۷۱ء میں پاکستان پر فوج کشی اور ۶۸ برسوں سے ایک کروڑ کشمیری مسلمانوں پر تاریخ کی بدترین فوجی یلغار اور مسلم خواتین کی بڑے پیمانے پر بے حرمتی۔ یہ چند مثالیں بھارتی سیاسی قیادت کی 'مسلم دوستی' کے زندہ ثبوت ہیں۔ اور اگر ثناء خوان تقدیس بھارت، ۹ مارچ ۲۰۰۵ء کو، جسٹس راجندر پچر کی سربراہی میں قائم سات رکنی اعلیٰ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ (۱۷ نومبر ۲۰۰۶ء) کو چشم ہوش سے پڑھ لیں، تو انہیں بھارت میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی، معاشی قتل عام، سماجی اور انسانی تذلیل کے بہت سے ثبوت مل جائیں گے (حالانکہ خود مسلمان اس رپورٹ کو بھی ادھورا سچ کہتے ہیں)۔ اسی طرح یہی لوگ چند کتابیں بھی مطالعہ کر لیں: قیدی نمبر ۱۰۰، از انجم زمر و حبیب (کشمیری تحریک آزادی سے وابستہ خاتون جس نے زندگی کا قیمتی حصہ تہاڑ جیل میں گزارا)۔ آپریشن اکشر دھام از راجیو یادویو اور شاہ نواز عالم، گیارہ سال سلاخوں کے پیچھے از مفتی عبدالقیوم، اور کرکے کے قاتل کون؟ ایس ایم مشرف (سابق انسپکٹر جنرل پولیس مہاراشٹر) تو یہ بھارت کے 'من موہنے چہرے' کو عرب پالیسی سازوں کے سامنے واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ آخر الذکر کتاب میں مصنف نے بتایا ہے کہ ایک ہندو پولیس افسر ہیمنت کرکرے نے کس طرح جواں مردی، انسان دوستی اور انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اصل ہندو انتہاپسند قاتلوں کو بے نقاب کر دیا تھا، جو ہر قسم کی دہشت گردی کرتے اور الزام الٹا مسلمانوں کے سر دھرتے ہیں۔ اس ہندو پولیس افسر کو اس 'جرم' کی پاداش میں ممبئی کے مشہور اور نام نہاد حادثے کے دوران قتل کر دیا گیا۔

بھارت کے اس ڈپلومیٹک حملے کا تقاضا ہے کہ جہاں مسلم دنیا کے تحقیقی ادارے معروضی انداز سے گواہی پیش کریں، وہیں مسلم حکومتوں کو بھی خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیے۔ یہ کام محض ملازمانہ ذہنیت رکھنے والے سفارت کار نہیں کر سکتے۔